عہد رسالت مآب ﷺ میں معاندینِ قرآن کے اعتراضات
اور
ان کے جوابات کا قرآنی منہج

ہمایوں عباس شمس

یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ حق جب بھی اپنی تابانیوں کے ساتھ ضوفگن ہوتا ہے۔ باطل کے ایوانوں میں زلزلہ بپا ہوجاتا ہے۔ حق وصداقت کی لازوال تعلیمات کے ساتھ قرآن کریم جب شفاء، ہدایت اور رحمت کا پیغام لایا تو باطل حسب عادت حق کی آواز کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا۔ قرآن کریم نے فَقَدْ كَذَّبُوا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ (الانعام/۵) کے الفاظ سے کفار ومشرکین کے انکار کا ذکر کیا ہے یہی وجہ ہے کہ بجائے اس کے کہ قرآن کے نزول سے ان کے دلوں کا مرض کم ہوتا طغیان اور سرکشی بڑھ گئی ہے وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيراً مِّنْهُم مَّا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ طُغْيَاناً وَكُفْراً (المائدہ/۶۴) منکرین ومعاندین قرآن اس حقیقت کو جانتے تھے کہ یہ کلام معجز ''حق'' کی تعلیمات کا مرقع ہے۔ مگر یہ حقیقت مانتے ہوئے انھیں اپنی سیادت وقیادت ڈانواں ڈول نظر آتی اس لیے وہ کوشش کرتے کہ جب کتاب حکمت کی پراثر آیات تلاوت کی جائیں تو شور بپا کیا جائے، تالیاں بجائی جائیں ان کے اس رویے کی تصویر کشی کرتے ہوئے قرآن نے کہا کہ: وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسْمَعُوا لِهَذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُونَ (حم السجدہ/۲۶) معاندین کے اس طرز عمل کی وجہ سے اہل ایمان ومحبت کو یہ نصیحت کی کہ حصول رحمت کا ذریعہ اس کی آیات کو غور سے سننا اور عمل کرنا ہے۔ واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلكم ترحمون (الاعراف/۲۰۴) اس کتاب کی اثر پذیری کو روکنے کے لیے

عہد رسالت کے منکرین قرآن نے ہر ہتھکنڈا استعمال کیا اپنے وسائل و اثر و رسوخ کو استعمال کیا مہمل، بے تکے، بے فائدہ اور لایعنی سوالات کیے تا کہ لوگ غلط فہمیوں کا شکار ہوں۔مگر قرآن کریم نے اسی وقت ان کی ایسی نازیبا حرکات کا نوٹس لیتے ہوئے حقیقت کو مبرہن کیا۔عہد رسالت مآب کے مخالفین کی طرح آج بھی مخالفین قرآن کریم پر مختلف اعتراضات کرتے ہیں اور ساتھ ہی بعض اس کی عظمت کے معترف بھی ہیں زبانی بُعد کے باوجود اعتراضات کی بنیادی نوعیت ایک ہے کیونکہ جاہلیت قدیم یا جدید کا مزاج ایک ہی ہے۔اس لیے ضروری ہے کہ عہد رسالت مآب ﷺ کے مخالفین کے اعتراضات کا جائزہ لے کر موجودہ دور کے لیے ایک علمی لائحہ عمل قرآنی جوابات کی روشنی میں وضع کیا جائے۔ اس زمانہ کے چند اعتراضات اور ان کے قرآنی جوابات، مفسرین کی آراء کی روشنی میں درج ذیل ہیں۔

(۱) قرآن اساطیر الاولین ہے:

مستہزئین یہ بھی کہتے کہ قرآن اساطیر الاولین (Fables of ancient times) ہے۔ان کا اعتراض اس طرح نقل کیا گیا ہے:

وَقَالُوا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلَى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَأَصِيلاً (الفرقان/۵)

کفار نے کہا یہ (قرآن) تو پہلے لوگوں کے افسانے ہیں جنھیں اس شخص نے لکھوالیا ہے۔ پھر یہ صبح و شام پڑھ کر سنائے جاتے ہیں (تا کہ ازبر ہو جائیں)

اس اعتراض کا جواب قرآن نے یہ دیا:

قُلْ أَنزَلَهُ الَّذِي يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ كَانَ غَفُوراً رَّحِيماً (الفرقان/٦)

آپ فرمایئے! اس کو اتارا ہے (اللہ) نے جو زمین و آسمان کے سارے رازوں کو جانتا ہے۔

اس جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہ کلام خود اس کا شاہد ہے کہ اس کی نازل کرنے

والی وہ ذات پاک ہے جو آسمانوں اور زمین کے سب خفیہ رازوں سے واقف و باخبر ہے۔ اسی لیے قرآن کو ایک کلام معجز بنایا اور ساری دنیا کو چیلنج کیا کہ اگر اس کو تم خدا کا کلام نہیں مانتے کسی انسان کا کلام سمجھتے ہو تو تم بھی انسان ہو اس جیسا کلام زیادہ نہیں تو ایک سورہ بلکہ ایک آیت ہی بنا کر دکھلا دو۔

درحقیقت وہ اس قسم کی دروغ گوئی اور ظاہری اتہامات کے ذریعے لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کے پاس سے ہٹانا چاہتے تھے جب کہ تمام صاحبان عقل اور اس ماحول کے رہنے والوں کو اچھی طرح معلوم تھا کہ آپ نے کسی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ نہیں کیا تھا پھر یہ کہ آپ کو نہ تو یہود سے کوئی سروکار تھا اور نہ کسی اور اہل کتاب سے اگر واقعتاً آپ صبح وشام کسی سے کچھ حاصل کرتے تھے تو کیوں کر ممکن تھا کہ کسی پر یہ بات مخفی رہتی؟ ان سب باتوں سے ہٹ کر قرآنی آیات تو سفر وحضر اور مجمع عام اور تنہائی میں آپ پر نازل ہوتی تھیں۔

ان سب سے قطع نظر قرآن مجید صرف انبیائے ماسلف کی داستانوں پر ہی مشتمل نہیں بلکہ اس میں اعتقادی تعلیمات، عملی احکام، قوانین الٰہی اور کچھ انبیاء عظام کی سرگزشت بھی موجود ہے اور پھر گزشتہ اقوام کے جو واقعات قرآن مجید میں مذکور ہیں وہ تحریف شدہ تورات اور انجیل اور عربوں کے افسانوں سے بالکل مختلف ہیں کیونکہ وہ تو خرافات اور فضول باتوں سے بھرپور تھے جب کہ قرآن مجید ان تمام خرافات سے بالکل پاک اور مبرا ہے اس کا بہترین ثبوت یہ ہے کہ اگر دونوں کا باہمی موازنہ اور تقابل کیا جائے تو حقیقتِ امر بخوبی واضح ہو جائے گی۔

جواب کا یہ حصہ اس بات کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ اس کتاب الٰہی کے مضامین اور مختلف اسرار و رموز جن میں علم و دانش بھی ہے اور گذشتہ قوموں کی تاریخ بھی، انسانی ضرورت کی راہنمائی اور قوانین حتی کا عالم فطرت کے اسرار و رموز اور آئندہ کی خبریں بھی، یہ سب کچھ اس بات کی دلیل ہے کہ نہ تو یہ انسانی ذہن کی اختراع ہے اور نہ ہی کسی ایرے غیرے کے تعاون سے اسے مرتب کیا گیا ہے بلکہ یہ تو اس ذات کے علم کا نتیجہ

ہے جس کے پاس آسمان وزمین کے اسرار موجود ہیں اور جس کا علم ہر چیز پر حاوی ہے[۱]۔

عبداللہ یوسف علی نے اس رویہ کو Misguided arrogance قرار دیا ہے[۲]۔

اوراس رویہ پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں: اساطیر الاولین کہہ کر جس طرح اس کے وحی الٰہی ہونے سے انکار کیا ہے اسی طرح اس کے خالی از حکمت ہونے پر اشارہ کیا ہے لیکن گذشتہ اقوام کے عبرت ناک انجام کو اساطیر کہنا بھی صداقت کو منہ چڑھانا ہے[۳]۔

قرآن کریم نے اس اعتراض کے جواب میں جو انداز اختیار کیا اس کی وضاحت حنیف ندوی کے الفاظ میں یوں ہے۔

> ''جس طرح آسمان اور زمین کے بھیدوں اور اسرار کائنات کو بجز خالق کون و مکاں کوئی نہیں جانتا اسی طرح ان علوم و معارف سے کوئی شخص آگاہ نہیں جو قرآن میں مذکور ہیں''[۴]۔

کفار کی ضد، ہٹ دھرمی اور آباؤ واجداد کی اندھی تقلید کی بنا پر ان سے ہدایت کی توفیق ہی سلب کر لی گئی اس لیے سورۃ الانعام (آیت نمبر ۱۵) میں اساطیر الاولین کہنے والوں کی قلبی کیفیت کو ''اکنۃ'' کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

(۲) قرآن معاونین کی مدد سے تیار ہوا:

وَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوا إِنْ هَذَا إِلَّا إِفْکٌ افْتَرَاهُ وَأَعَانَهُ عَلَیْهِ قَوْمٌ آخَرُونَ. (الفرقان/۴)	کفار کہنے لگے یہ قرآن محض ایک من گھڑت چیز ہے جسے اس نے گھڑ لیا ہے اور کچھ دوسرے لوگوں نے اس کام میں اس کی مدد کی ہے۔

کفار مکہ انکار توحید کے ساتھ حضور ﷺ کی نبوت کا بھی بڑے شد و مد سے انکار کیا کرتے تھے۔ انھوں نے یہاں تک بہتان تراشی کی کہ کتاب اللہ تعالیٰ کی نہیں ہے بلکہ

انھوں نے خود اسے تصنیف کیا ہے۔ یہ بات جوشِ غضب میں زبان سے تو نکل گئی لیکن خود ہی خیال آیا کہ وہ شخص جو امّی ہے جس نے کسی انسان کے سامنے زانوئے تلمذ تہ نہیں کیا جو آج تک کسی ادیب اور فلسفی کی صحبت میں نہیں بیٹھا وہ ایسی عظیم کتاب کا مصنف کیسے ہوسکتا ہے جس کی ہر سطر سے اسرار و معارف کے دریا بہہ رہے ہیں۔ چنانچہ وہ کہنے لگے کہ وہ تنہا اس کتاب کے مصنف نہیں ہیں بلکہ چند اور لوگ بھی اس کی تصنیف میں شریک ہیں جب ان سے پوچھا گیا کہ بتاؤ وہ نابغۂ روزگار لوگ کون ہیں جن کی زبان سے علم و حکمت کے ایسے پھول جھڑ رہے ہیں جن کی رنگت سے چشم و دل تازہ اور جن کی مہک سے مشام روح معطر ہو رہا ہے۔ تو غلط گو لوگوں کی طرح کبھی کسی کا نام لیتے ہیں اور کبھی ابوفکیہ، یسار، عداس اور جبر کا نام لیتے ہیں جو انھیں مشرکین معاندین کے آزاد کردہ غلام تھے[۵]۔

بظاہر یہ بڑا اعتراض تھا کیونکہ اس ذریعہ کی نشان دہی کر دی گئی تھی جو علوم و معارف نبوت کا مآخذ تھا مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے اس شور شرابے اور اتہام کو ذرا اہمیت نہ دی اور جواب میں صرف یہ فرمایا:

فَقَدْ جَاؤُوا ظُلْماً وَزُوراً . (الفرقان/۴)	یہ کافر ظلم اور بہت بڑے جھوٹ کے مرتکب ہوئے ہیں۔

ظلم اس لحاظ سے کہ انھوں نے ایک امین اور پاکیزہ، مقدس اور حق و صداقت کے پتلے پر تہمت لگائی ہے کہ وہ (نعوذ باللہ) اہل کتاب کے ایک ٹولے کی مدد سے خدا پر افترا پردازی اور جھوٹ کے مرتکب ہوئے ہیں اس طرح کا الزام لگا کر انھوں نے لوگوں پر بھی ظلم کیا اور اپنے اوپر بھی اور زور یعنی جھوٹ اور باطل اس بنا پر کہ ان کی باتیں بالکل بے بنیاد تھیں کیونکہ پیغمبر اسلام ﷺ نے انھیں ایک نہیں کئی بار چیلنج کیا تھا کہ اگر وہ اپنے دعوؤں میں سچے ہیں تو اس قرآن جیسی کوئی کتاب یا اس کی سورتوں اور آیات جیسی کچھ سورتیں یا آیتیں لے آئیں لیکن وہ ایسا کرنے سے عاجز آ گئے تھے۔

لہٰذا فَقَدْ جَاؤُوا ظُلْماً وَزُوراً ایک ایسا جامع اور مانع جواب ہے جو ان کے دعوؤں کو باطل کر دیتا ہے[۶]۔

قرآن کریم کے اس مختصر جواب پر معاندین نے کوئی شور بپا نہ کیا خاموشی اختیار کی۔ مخالفین کو یہ کہنے کی جرأت نہ ہوئی کہ دیکھو ہمارے اعتراض کا کوئی جواب نہ دیا جاسکا، محض ظلم اور زور کہہ کر بات ختم کردی اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں:

''پہلی بات یہ تھی کہ مکے کے وہ ظالم سردار جو ایک ایک مسلمان کو مارتے کوٹتے اور تنگ کرتے پھر رہے تھے، ان کے لیے یہ بات کچھ بھی مشکل نہ تھی کہ جن جن لوگوں کے متعلق وہ کہتے تھے کہ یہ پرانی پرانی کتابوں کے ترجمے کرکر کے محمد (ﷺ) کو یاد کرایا کرتے ہیں ان کے گھروں پر اور خود نبیﷺ کے گھر پر چھاپے مارتے اور سارا ذخیرہ برآمد کرکے پبلک کے سامنے لا رکھتے جو ان کے زعم میں اس کام کے لیے فراہم کیا گیا تھا۔ وہ عین اس وقت چھاپا مار سکتے تھے جب کہ یہ کام کیا جارہا ہو اور ایک مجمع کو دکھا سکتے تھے کہ لو دیکھو، یہ نبوت کی تیاریاں ہورہی ہیں۔ بلال کو تپتی ہوئی ریت پر گھسیٹنے والوں کے لیے ایسا کرنے میں کوئی آئین ضابطہ مانع نہ تھا اور ایسا کرکے وہ ہمیشہ کے لیے نبوت محمدی کے خطرے کو مٹا سکتے تھے مگر وہ بس زبانی اعتراض ہی کرتے رہے اور ایک دن بھی یہ فیصلہ کن قدم اٹھا کر انھوں نے نہ دکھایا۔

دوسری بات یہ تھی کہ اس سلسلے میں وہ جن لوگوں کے نام لیتے تھے وہ کہیں باہر کے نہ تھے اسی شہر مکہ کے رہنے والے تھے۔ ان کی قابلیتیں کسی سے چھپی ہوئی نہ تھیں۔ ہر شخص جو تھوڑی سی عقل رکھتا تھا یہ دیکھ سکتا تھا کہ محمدﷺ جو چیز پیش کررہے ہیں وہ کس پائے کی ہے کس شان کی زبان ہے، کس مرتبے کا ادب ہے کیا زور کلام ہے کیسے بلند خیالات اور مضامین ہیں اور وہ کس درجے کے لوگ ہیں جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ محمد (ﷺ) ان سے یہ سب کچھ حاصل کرکے لا رہے ہیں۔ اسی وجہ سے کسی نے بھی اس اعتراض کو کوئی وزن نہ دیا۔ ہر شخص سمجھتا تھا کہ ان باتوں سے بس دل کے جلے پھپھولے پھوڑے جارہے ہیں ورنہ اس قول میں کسی شبہ کے قابل بھی جان نہیں ہے جو لوگ ان اشخاص سے واقف نہ تھے وہ بھی آخر اتنی ذرا سی بات تو سوچ سکتے تھے کہ اگر یہ لوگ ایسی

ہی قابلیت رکھتے تھے تو آخر انھوں نے خود اپنا چراغ کیوں نہ جلایا؟ ایک دوسرے شخص کے چراغ کو تیل مہیا کرنے کی انہیں ضرورت کیا پڑی تھی؟ اور وہ بھی چپکے چپکے کہ اس کام کی شہرت کا ذرا سا حصہ بھی ان کو نہ ملے؟

تیسری بات یہ تھی کہ وہ سب اشخاص جن کا اس سلسلہ میں نام لیا جا رہا تھا بیرونی ممالک سے آئے ہوئے غلام تھے جن کو ان کے مالکوں نے آزاد کر دیا تھا۔ عرب کی قبائلی زندگی میں کوئی شخص بھی کسی طاقت ور قبیلے کی حمایت کے بغیر نہ جی سکتا تھا۔ آزاد ہو جانے پر بھی غلام اپنے سابق مالکوں کے ولاء (سر پرستی) میں رہتے تھے اور ان کی حمایت ہی معاشرے میں ان کے لیے زندگی کا سہارا ہوتی تھی۔ اب یہ ظاہر بات تھی کہ اگر محمد ﷺ ان لوگوں کی بدولت، معاذ اللہ، ایک جھوٹی نبوت کی دکان چلا رہے تھے تو یہ لوگ کسی خلوص اور نیک نیتی کے ساتھ اس سازش میں آپ کے شریک نہ ہو سکتے تھے۔ آخر ایسے شخص کے وہ مخلص رفیق کار اور سچے عقیدت مند کیسے ہو سکتے تھے جو رات کو انہی سے کچھ باتیں سیکھتا ہو اور دن کو دنیا بھر کے سامنے یہ کہہ کر پیش کرتا ہو کہ یہ خدا کی طرف سے مجھ پر وحی نازل ہوئی ہے۔ اس لیے ان کی شرکت کسی لالچ اور کسی غرض ہی کی بنا پر ہو سکتی تھی مگر کون صاحب عقل و ہوش آدمی یہ باور کر سکتا تھا کہ یہ لوگ خود اپنے سر پرستوں کو ناراض کر کے محمد ﷺ کے ساتھ اس سازش میں شریک ہو گئے ہوں گے؟ آخر کیا لالچ ہو سکتی تھی جس کی بناء پر وہ ساری قوم کے مغضوب و مطعون اور ساری قوم کی دشمنی کے ہدف آدمی کے ساتھ مل جاتے اور اپنے سر پرستوں سے کٹ جانے کے نقصان کو ایسے مصیبت زدہ آدمی سے حاصل ہونے والے کسی فائدے کی امید پر گوارا کر لیتے؟ پھر یہ بھی سوچنے کی بات تھی کہ ان کے سر پرستوں کو یہ موقع تو آخر حاصل ہی تھا کہ مار کوٹ کر ان سے سازش کا اقبال کرالیں۔ اس موقع سے انھوں نے کیوں نہ فائدہ اٹھایا اور کیوں نہ ساری قوم کے سامنے خود انہی سے یہ اعتراف کروالیا کہ ہم سے سیکھ سیکھ کر یہ نبوت کی دکان چمکائی جا رہی ہے؟

سب سے زیادہ عجیب بات یہ تھی کہ وہ سب محمد ﷺ پر ایمان لائے اور اسی ضرب المثل عقیدت میں شامل ہوئے جو صحابہ کرام آنحضور ﷺ کی ذات مقدس سے

رکھتے تھے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ [معاذ اللہ] بناوٹی اور سازشی نبوت پر خود وہی لوگ ایمان لائیں اور گہری عقیدت کے ساتھ ایمان لائیں جنھوں نے اس کے بنانے کی سازش میں خود حصہ لیا ہو؟ اور بالفرض اگر یہ ممکن بھی تھا تو ان لوگوں کو اہل ایمان کی جماعت میں کوئی نمایاں مرتبہ تو ملا ہوتا۔ یہ کیسے ہوسکتا تھا کہ نبوت کا کاروبار تو چلے عدّاس اور یَسار اور جبر کے بل بوتے پر اور نبی کے دست راست بنیں ابوبکر اور عمر اور ابوعبیدہ۔؟

اسی طرح یہ بات بھی بڑی تعجب انگیز تھی کہ اگر چند آدمیوں کی مد سے راتوں کو بیٹھ بیٹھ کر [معاذ اللہ] نبوت کے اس کاروبار کا مواد تیار کیا جاتا تھا تو وہ زید بن حارثہ، علی بن ابی طالب، ابوبکر صدیق اور دوسرے ان لوگوں سے کس طرح چھپ سکتا تھا جو شب و روز محمد ﷺ کے ساتھ لگے رہتے تھے؟ اس الزام میں برائے نام بھی کوئی شائبہ صداقت ہوتا تو کیسے ممکن تھا کہ یہ لوگ اس قدر خلوص کے ساتھ حضور پر ایمان لاتے اور آپ کی حمایت میں ہر طرح کے خطرات ونقصانات برداشت کرتے؟ یہ وجوہ تھے جن کی بنا پر ہر سننے والے کی نگاہ میں یہ اعتراض آپ ہی بے وزن تھا۔ اس لیے قرآن میں اس کو کسی وزنی اعتراض کی حیثیت سے جواب دینے کی خاطر نقل نہیں کیا گیا ہے بلکہ یہ بتانے کی خاطر اس کا ذکر کیا گیا ہے کہ دیکھو حق کی دشمنی میں یہ لوگ کیسے اندھے ہو گئے ہیں اور کس قدر صریح جھوٹ اور بے انصافی پر اتر آئے ہیں۔ ؎

(۳) سارا قرآن ایک ہی مرتبہ نازل کیوں نہ ہوا؟

بغض وعناد جب اپنی انتہا کو پہنچ جاتا ہے تو کمال وخوبی بھی نقص وعیب نظر آنے لگتی ہے۔ کچھ ایسا ہی معاملہ عہد رسالت مآب ﷺ سے مشرکین مکہ کے ساتھ تھا۔ وہ رسول دشمنی میں اس قدر آگے نکل گئے کہ قرآن کا تدریجی نزول جو بہت سی حکمتوں اور مصلحتوں کی بنا پر تھا اور جس کو عام عقل بھی تسلیم کیے بغیر نہیں رہ سکتی تھی، انھیں یہ بھی قابل اعتراض نظر آیا۔ قرآن مقدس نے ان کے اس اعتراض کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَاحِدَةً.(الفرقان/۳۲) اور کافروں نے کہا کہ قرآن ان پر (پورا کا پورا) ایک ہی مرتبہ کیوں نازل نہ ہوا؟

قرآن کریم نے اس کج روی کا جواب سورۃ النحل (آیت/۱۰۲) اور سورۃ الاسراء (آیت/۱۰۶) میں دیا ہے۔ اس تدریجی نزول پر ڈاکٹر محمود رامیار نے قرآن اور عقل کی روشنی میں عمدہ تحقیق کی ہے۔ اس کا ابتدائی پیراگراف اور اس کا ترجمہ پیش خدمت ہے:

''حرکت تاریخی اسلام وتحریکی کہ در مسلمانہا ایجاد کرد وشور ونشاطی کہ در پیکر جامع بشری دمانید، آن روح قوی و پر صلابت مسلمانہا، آن ایثار وفداکاریہا، آن گذشتہا وبذل جانہا، ھہ وھہ جریان عظیمی بود کہ از حرکت وایمان مسلمین صدر مایہ می گرفت وآن حرکت وایمان اولیہ ہیچ سرورمزی نداشت جز این نزول تدریجی آیات! رمز وانگیزۂ اصلی پیروزی اسلام ہین نزول تدریجی بود ھر بار کہ مصلحتی ایجاب می کرد و مایۂ تحرکی برای پیامبر ودرارانش لازم ی نمود، فرشتۂ وحی نازل می شد وجان تازہ ای بر پیکر اسلام می دمید جاہلیان دانستہ ویا ندانستہ، این نزول تدریجی را بہ ریشخند می گرفتند وکتابی نوشتہ ومدوّن ویکپارچہ طلب می کروند کتاب نوشتہ ہم البتہ آیات مقدسہ جادی می شد کہ برای تبرک وتین زینت بخش زندگیہاشان باشد اما آیات پراگندہ کہ گہگاہ نازل می شد بردل وجان مومنان می نشست، سینہ بہ سینہ ودست بہ دست می گشت ومایۂ حرکت ونشاط تازہ ای می شد وچین حرکت ونشاط در نسل بعد ونسلہا بعد تر، ہچون ادامۂ موج، تداوم می یافتہ مایۂ قوام واستحکام جامعۂ اسلام وتداوم آن روح ونشاط درنسلہا بعدی واقوام دیگری می کشتہ این است راز اصلی این نزول تدریجی۔ دراین تدریجی بودن نزول، جز این، رازہا وحکتہاست کہ ما از آن دریای بی کران بہ چند قطرۂ نمونہ، سخن کوتاہ می کنیم۔''[۸]

(تاریخ اسلام کی پیش رفت اور مسلمانوں میں تحرک وتحریک کا پیدا ہونا وہ جوش و خروش جو معاشرہ انسانی میں ظاہر ہوا، مسلمانوں کے قوی اور مستحکم جذبے، ان کا ایثار وقربانی اور جاںثاری، ان سب کا سرچشمہ صدر اسلام کے مسلمانوں کا تحرک اور ان کا ایمان ہے۔ اس تحرک اور ایمان کے پیچھے ایک ہی راز کارفرما تھا اور وہ آیات کا بتدریج نازل ہونا تھا۔

اسلام کی کامیابی اور کامرانی کا حقیقی راز اور محرک یہی تدریجی نزول تھا۔ جب بھی مصلحت کا تقاضا ہوتا پیغمبر ﷺ اور آپ کے صحابہؓ کے لیے کسی تحرک کی ضرورت ہوتی تو فرشتۂ وحی نازل ہوتا اور پیکر اسلام میں نئی روح پھونک دیتا۔ زمانہ جاہلیت کے پروردہ دانستہ یا نا دانستہ اس تدریجی نزول کا مذاق اڑاتے اور ایک تیار شدہ کتاب ایک ساتھ طلب کرتے۔ تحریر شدہ آیات مقدسہ ایک جامد انداز اختیار کر لیتیں جو ان کی زندگیوں کو تبرک کے طور پر زینت بخشتیں۔ اس کے مقابلے میں آیات جو بار بار وقفے وقفے سے نازل ہو رہی تھیں مومنوں کے دل و جاں میں راسخ ہوتیں اور سینہ بہ سینہ، دست بہ دست ایک سے دوسرے تک پہنچتیں اور حرکت اور جوش و جذبے کا ذریعہ بنتیں۔ یہی تحریک و تحرک اگلی نسل اور اس سے اگلی نسل تک دریا کی موجوں کی طرح پیہم جاری رہا اور معاشرہ اسلام کو استحکام و استقامت بخشتا رہا اور بتدریج نزولِ وحی کا اصل راز اور مصلحت یہی ہے)۔

کفار کے اس اعتراض کے جواب میں تدریجی نزول کے پس پردہ کارفرما الٰہی حکمتوں کا تذکرہ فرما کر اس حقیقت کو آشکارا کر دیا کہ پروردگار کی حکمت و قدرت ہمیشہ انسان کے مصالح و مفادات کے لیے کام کرتی ہے۔

(۴) قرآن عربی میں کیوں نازل ہوا؟

ضدی اور ہٹ دھرم کفار کو یہ بھی اعتراض تھا کہ قرآن کیوں عربی میں نازل ہوا؟ اسے تو کسی عجمی زبان میں نازل ہونا چاہیے تھا یا عربی ہی میں نازل ہونا تھا تو کسی عجمی شخص پر نازل ہوتا۔ قرآن کریم نے ان کے اعتراض کا جواب ان الفاظ میں دیا:

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ءَ اَعْجَمِيٌّ وَّعَرَبِيٌّ. (حم السجدہ/۴۵)

اور اگر ہم اس قرآن کو غیر عرب زبان میں نازل کرتے تو یہ لوگ کہتے اس کی آیتیں (ہماری زبان میں) کھول کر کیوں بیان نہیں کی گئیں کیا (خوب کہ قرآن تو) عجمی اور مخاطب (عربی)۔

مولانا امین احسن اصلاحی اس اعتراض کا پس منظر اور جواب کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''قرآن سے اعراض و فرار کے لیے مخالفین جو بہانے پیدا کرتے تھے ان میں سے بعض کو نقل کر کے ان کی لغویت واضح کی گئی ہے۔ قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اور اس قسم کے بعض دوسرے اعتراضات اصلاً یہود کے القاء کیے ہوئے تھے جو بنی اسماعیل کو قرآن کی نعمت سے محروم کرنے کے لیے انھوں نے ایجاد کیے تھے لیکن قریش کے نادان لیڈران کے حسد اور ان کی چالوں سے بے خبر ہونے کے باعث، محض آنحضرت ﷺ کی مخالفت کے جوش میں ان کے القاء کیے ہوئے اعتراضات نقل کرنا شروع کر دیتے تھے۔ از آنجملہ ایک اعتراض یہ بھی ان کا تھا کہ وحی کی مخصوص زبان تو اب تک عبرانی رہی ہے جس میں وہ تمام صحیفے نازل ہوئے جن کے آسمانی ہونے کا اقرار قرآن کو بھی ہے تو اب اللہ تعالیٰ نے اپنی زبان کیوں بدل لی اور یہ نئی وحی عربی زبان میں کیوں نازل ہوئی۔

قرآن نے اس کا جواب یہ دیا کہ ان لوگوں کا یہ اعتراض محض برائے اعتراض اور قرآن کی مخالفت کے لیے ایک بہانہ ہے۔ اگر قرآن کسی عجمی زبان میں اترتا تو یہی لوگ یہ اعتراض اٹھاتے کہ اس کی آیتوں کی ہماری اپنی زبان میں اچھی طرح وضاحت کیوں نہیں کی گئی لیکن جب ہم نے اس کو عربی زبان میں اتار کر ان کے لیے اچھی طرح کھول دیا تو بجائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ کے اس فضل اور احسان کے شکر گزار ہوتے یہ دشمنوں کا سکھایا ہوا یہ اعتراض لے کر اٹھ کھڑے ہوئے کہ سابق روایت کے خلاف اللہ تعالیٰ نے اپنی یہ وحی عربی زبان میں کیوں اتاری؟ گویا اللہ تعالیٰ کا یہ ایک عظیم احسان ان کے لیے وجہ اعتراض بن گیا۔ ءَ اَعْجَمِیٌّ وَّعَرَبِیٌّ یہ فقرہ ان کے اعتراض ہی کا حصہ ہے کہ اس وقت یہ لوگ یہ بات بناتے کہ پیغام عجمی اور مخاطب عربی یعنی یہ کیا بے تکا پن ہے کہ جو لوگ اس کتاب کے سب سے پہلے مخاطب ہیں وہ اس کی زبان سے نابلد ہیں۔

زبانِ یار ترکی و من ترکی نمی دانم۔[۱۰]

اس قرآن کو اگر کسی عجمی پر بھی نازل کردیا جاتا تو عربوں کی نسل پرستی اور قومی تعصب، اس کتاب کے اقرار سے مانع ہوتا۔ اسی لیے فرمایا:

وَلَوْ نَزَّلْنَاهُ عَلَى بَعْضِ الْأَعْجَمِينَ. فَقَرَأَهُ عَلَيْهِم مَّا كَانُوا بِهِ مُؤْمِنِينَ. (الشعراء/۱۹۸-۱۹۹)

انکی ہٹ دھرمی کا یہ حال ہے کہ) اگر ہم (اس قرآن کو) کسی عجمی پر بھی نازل کردیتے اور یہ (فصیح عربی کلام) وہ ان کو پڑھ کرسناتا تب بھی وہ ایمان نہ لاتے۔

خلاصہ کلام یہ کہ وہ دل کے ایسے بیمار ہیں کہ جو بھی منصوبہ بنایا جاتا اور پروگرام مرتب کیا جاتا اس پر اعتراض کرتے اور طرح طرح کے بہانے بناتے اگر عربی ہوتو سحر اور جادو کہتے، اگر عجمی ہوتو اپنی سمجھ سے بالاتر قرار دیتے۔ اگر عربی اور عجمی زبانوں سے مل کر بنا ہوتا تو اسے غیر موزوں کہتے کیوں کہ جو شخص ہٹ دھرم ہوتا ہے اور نہ ماننے کا ارادہ کرلیتا ہے وہ اصل مضمون پر توجہ نہیں دیتا بلکہ اسے جھٹلانے کے لیے کوئی نہ کوئی وجہ بیان کردے گا۔ اس سے واضح ہوا کہ تمام زبانوں کا خالق اللہ ہی ہے۔ مگر انسانی ہدایت کے لیے ایضاح مطالب کی جو قابلیت و استعداد اس زبان میں ہے کسی دوسری کو یہ مقام حاصل نہیں۔ اسی طرح اس کے پہلے مخاطبین بھی اہل عرب تھے سب سے بڑھ کر حامل قرآن بھی عرب میں پیدا ہوئے۔ اس لیے آخری صحیفہ ہدایت کے لیے عربی زبان ہی مناسب و موزوں تھی۔

(۵) قرآن تراشا ہوا جھوٹ اور جادو ہے:

مخالفین قرآن کریم کے بارے میں جو افواہیں عوام الناس میں پھیلاتے تاکہ لوگ اس کلامِ معجز کی طرف متوجہ نہ ہوں، ان میں یہ بھی تھی کہ اس کی خدا کی طرف نسبت ایک خیال محض ہے اور اس دعویٰ کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ اسی طرح وہ اس کتابِ حکمت کو جادو بھی قرار دیتے۔ قرآن کریم ان دونوں اعتراضات کو اس طرح نقل کرتا ہے:

وَقَالُوا مَا هَذَا إِلَّا إِفْكٌ مُّفْتَرًى وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ إِنْ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ. (سبا/۴۳)

اور انھوں نے کہا کہ یہ (قرآن) تو بس ایک من گھڑت جھوٹ ہے اور ان کافروں نے حق کی بابت، جب کہ وہ ان کے پاس آ گیا، کہا کہ یہ تو بس کھلا ہوا جادو ہے۔

پہلے اعتراض کا پس منظر بیان کرتے ہوئے امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

''یہ قرآن کے خلاف ان کے پروپیگنڈے کا حوالہ ہے کہ وہ اپنے عوام کو یہ باور کراتے ہیں کہ اس قرآن کے متعلق یہ دعویٰ جو کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اتارا ہے یہ دعویٰ بالکل جھوٹ ہے جو محض تمھیں مرعوب کرنے کے لیے کیا گیا ہے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک خود تراشیدہ کتاب ہے جو بالکل جھوٹ موٹ اللہ کی طرف منسوب کی جا رہی ہے''[۱۱]۔

دوسرا اعتراض کہ یہ جادو ہے، اس کی وجہ وہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں: کوئی حقیقت اگر صحیح الفاظ میں سامنے آئے تو لازماً وہ دلوں پر اثر انداز ہوتی ہے۔ قرآن چونکہ سراسر حقیقت ہے جیسا کہ لفظ حق سے واضح ہے اور اس کا اسلوب بیان بھی معجزانہ ہے اس وجہ سے وہ قدرتی طور پر ان لوگوں کے دلوں پر اثر انداز ہوتا جو مفاد پرست نہیں تھے اور جن کو قریش کے لیڈروں کی طرح یہ اندیشہ نہیں تھا کہ اس کے ظہور سے ان کی سیادت کو کوئی خطرہ لاحق ہے۔ اس طرح کے لوگوں کو قرآن کے اثر سے بچانے کے لیے قریش کے لیڈر یہ تو نہیں کہہ سکتے تھے کہ قرآن ایک لغو اور بے معنیٰ کتاب ہے۔ اگر وہ یہ کہتے تو ان کے عوام خود ان کو بے وقوف ٹھہراتے کہ یہ سورج پر خاک ڈالنے کی کوشش ہے البتہ وہ عوام کو یہ باور کرانے کی کوشش کرتے تھے کہ قرآن میں جو بلاغت و جزالت ہے وہ اس وجہ سے نہیں ہے کہ یہ آسمان سے نازل ہوا ہے جیسا کہ اس کے پیش کرنے والوں کا دعویٰ ہے بلکہ یہ محض الفاظ کی جادوگری ہے جس میں ہمارے شاعروں اور خطیبوں کی طرح اس کو پیش کرنے والا بھی ماہر ہے''[۱۲]۔

اس پس منظر کے بعد قرآن کریم نے ان دونوں اعتراضات کا جو جواب دیا وہ ملاحظہ ہو:

وَمَا آتَيْنَاهُم مِّن كُتُبٍ يَدْرُسُونَهَا وَمَا أَرْسَلْنَا إِلَيْهِمْ قَبْلَكَ مِن نَّذِيرٍ . (سبا/۴۴)

اور ہم نے ان کو کتابیں نہیں دی تھیں جن کو وہ پڑھتے ہوں اور نہ ان کی طرف تم سے پہلے کوئی آگاہ کرنے والا بھیجا۔

یہ ان مخالفین پر اظہار احسان اور ان کی اس ناقدری و محرومی پر اظہار افسوس ہے۔ فرمایا کہ یہ امی قرآن و کتاب سے نا آشنا لوگ رہے ہیں اس سے پہلے نہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کوئی کتاب دی تھی جو ان کے لیے تعلیم و تعلم اور ارشاد و ہدایت کا ذریعہ بنتی اور نہ تم سے پہلے ان کے پاس کوئی نذیر آیا تھا جو ان کو اس غفلت کی نیند سے جگاتا اور آگے کے خطرات سے آگاہ کرتا اس صورت حال کا تقاضا تو یہ تھا کہ اس عظیم نعمت کی یہ دل و جان سے قدر کرتے، آگے بڑھ کر اس کو ہاتھوں ہاتھ لیتے اور اس سے اپنی دنیا سنوارتے اور آخرت کی بادشاہی بھی حاصل کرتے لیکن یہ اس کی مخالفت کر رہے ہیں اور اس طرح خدا کے اس قہر کو دعوت دے رہے ہیں جو سنت الٰہی کے مطابق اس قوم پر آ کر رہتا ہے جو اس کے بھیجے ہوئے نذیر کو جھٹلا دیتی ہے"[۱۳]۔

(٦) قرآن کسی رئیس پر نازل کیوں نہ ہوا؟

حضور سرور کونین ﷺ کے روشن معجزات دیکھنے کے باوجود اور قرآن کریم کی پر اثر آیات کو سننے کے بعد جب اور کچھ نہ سوجھتا تو دشمنان یہ اعتراض کر دیتے۔

وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هَذَا الْقُرْآنُ عَلَى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيمٍ. (الزخرف/۳۱)

اور کہنے لگے کیوں نہ قرآن دو شہروں کے کسی بڑے آدمی پر اتارا گیا۔

محمد اسد کفار کے اس فکری مغالطہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"Makkah and Taif-implying that if it were really a divine revelation it would have been bestowed on a person of "great standing" and not on Muhammad, who had neither wealth nor a position of eminence in his native city." [۱۴]

قرآن کریم نے اس اعتراض کے جواب کے ساتھ ہی ایک اہم معاشی نکتہ بھی بیان کردیا۔

أَهُمْ يَقْسِمُونَ رَحْمَةَ رَبِّكَ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُم مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِيَتَّخِذَ بَعْضُهُم بَعْضاً سُخْرِيّاً وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ. (الزخرف/۳۲)

کیا وہ آپ کے رب کی رحمت کو بانٹا کرتے ہیں؟ ہم نے اس دنیوی زندگی میں سامان زیست کو خود تقسیم کیا ہے اور ہم نے بعض کو بعض سے مراتب میں بلند کیا ہے تاکہ وہ ایک دوسرے سے کام لے سکیں اور آپ کے رب کی رحمت بہت بہتر ہے اس سے جو وہ جمع کرتے ہیں۔

قرآن کریم نے اس آیت میں منکرین کو دندان شکن جواب دیا ہے۔ نبوت رحمت الٰہی ہے اس کا صحیح علم کہ یہ کس کو عطا کرنی ہے، اللہ تعالیٰ کو ہی ہے۔

اللّٰهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ. (الانعام/۱۲۴)

خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ اپنی رسالت کس کو عطا کرنی ہے۔

نبوت کی تقسیم تو ایک اعلیٰ درجہ کی چیز ہے۔ سامان زیست کی تقسیم بھی تمہارے سپرد نہیں کی گئی اگر یہ کام تمہارے ذمہ ہوتا تو اغنیاء کی دولت میں تفاوت کیوں ہوتا؟ جب دنیوی مال ودولت کی تقسیم تمہارے بس کا روگ نہیں تو نبوت کی تقسیم کیسے کرسکتے۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں: ''یہ کس عظیم ہستی کو سزاوار ہے۔ کفار یہ نہیں سمجھتے تھے کہ یہ ایک روحانی رتبہ ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ نفس فضائل اور قدسی کمالات کی جلوہ گاہ ہو اور اس میں ذاتی اور صفاتی تجلیات کو برداشت کرنے کی کامل استعداد ہو۔ دنیاوی زیب و زینت اور ساز وسامان کی یہاں کوئی اہمیت نہیں'' ۱۵۔

اس آیت میں ''ربک'' دو مرتبہ آیا ہے جو پروردگار عالم کے خاص لطف وکرم کی طرف ایک لطیف اشارہ ہے جس سے اس نے اپنے رسول ﷺ کو سرفراز فرمایا ہے۔

یہ آیات بھی اسی جواب کے سلسلہ میں ہیں:

وَلَوْلَا أَن يَكُونَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً لَجَعَلْنَا لِمَن يَكْفُرُ بِالرَّحْمَنِ لِبُيُوتِهِمْ سُقُفاً مِّن فَضَّةٍ وَمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُونَ. وَلِبُيُوتِهِمْ أَبْوَاباً وَسُرُراً عَلَيْهَا يَتَّكِؤُونَ. وَزُخْرُفاً وَإِن كُلُّ ذَلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةُ عِندَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِينَ.
(الزخرف/۳۳-۳۵)

اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ سب لوگ ایک امت بن جائیں گے تو ہم رحمٰن کا انکار کرنے والوں کے مکانوں چھتیں اور سیڑھیاں جن پر وہ چڑھتے ہیں اور گھروں کے دروازے چاندی کے بنا دیتے اور وہ تخت جن پر وہ تکیہ لگاتے ہیں وہ بھی سونے اور چاندی کا بنا دیتے اور یہ سب چیزیں دنیوی زندگی کا سامان ہیں اور آخرت آپ کے رب کے نزدیک پرہیزگاروں کے لیے ہے۔

کفار کے اعتراض کے ضمن میں ان آیات میں جو جواب دیا گیا ہے اس کی وضاحت مفتی محمد شفیعؒ نے ان الفاظ میں کی ہے۔

''کفار نے جو یہ کہا تھا کہ مکہ اور طائف کے کسی بڑے مالدار کو نبی کیوں نہ بنایا گیا، ان آیات میں اس کا دوسرا جواب دیا گیا ہے اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ بے شک نبوت کے لیے کچھ شرائط وصلاحیت کا پایا جانا ضروری ہے لیکن مال و دولت کی زیادتی کی بنا پر کسی کو نبوت نہیں دی جا سکتی کیوں کہ مال و دولت ہماری نگاہ میں اتنی حقیر چیز ہے کہ اگر تمام لوگوں کے کافر بن جانے کا اندیشہ نہ ہوتا تو ہم سب کافروں پر سونے چاندی کی بارش کر دیتے اور صحیح ترمذی کی ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے: لو كانت الدنيا تعدل عند الله جناح بعوضة ماسقى كافرا منها شربة ماء (یعنی اگر دنیا اللہ کے نزدیک مچھر کے ایک پر کے برابر بھی درجہ رکھتی تو اللہ تعالیٰ کسی کافر کو اس سے پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ دیتا) اس سے معلوم ہوا کہ نہ مال و دولت کی زیادتی کوئی فضیلت کی چیز ہے نہ اس کی کمی انسان کے کم رتبہ ہونے کی علامت ہے البتہ نبوت کے لیے کچھ اعلیٰ درجہ کے اوصاف ضروری ہیں وہ سرکار دو عالم ﷺ میں بدرجۂ اتم پائے جاتے ہیں۔ اس لیے یہ اعتراض بالکل لغو اور باطل ہے۔[۱۶]

خلاصہ بحث

درج بالا اعتراضات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ معاندین ومخالفین کے پیش نظر حق کی جستجو نہیں ہے جس کی بنا پر وہ اعتراض کر رہے ہیں بلکہ ''حق'' کا استہزا ہے جس سے وہ اہل ایمان کے دلوں میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کے خواہاں تھے۔ آج بھی مستشرقین قرآن کریم پر جو اعتراضات کرتے ہیں وہ الفاظ کے ہیر پھیر سے کم وبیش یہی ہیں۔ یہاں تک کہ بے یقینی کی جو کیفیت ''معترضین عرب'' کے ہاں تھی، جس کی وجہ سے وہ کسی ایک اعتراض کو نہ ٹھوس انداز میں پیش کرتے اور نہ اس پر جمے رہتے بلکہ معاندانہ روش میں نت نئے اعتراض تراشتے جاتے، وہی کیفیت مستشرقین کے ہاں پائی جاتی ہے۔

دونوں کی کیفیات میں یکسانیت کا سبب ''فکری سرچشمہ'' کا ایک ہونا ہے، وہاں بھی اعتراضات کی بنیاد حسد، رقابت، بغض وغیرہ جیسی مذموم وقبیح صفات تھیں اور یہاں بھی وہی ہیں وہاں بھی حق کے متلاشی بن کر قرآن سننے والے طفیل بن عمرو دوسی آغوش اسلام میں آئے ہیں اور یہاں بھی محمد اسد اور دیگر لوگ مسلمان ہوئے [۱۷]۔ گویا آج بھی جو پورے شعور کے ساتھ اس کتاب کی طرف آتے ہیں وہ بالآخر ظلمات سے نور تک کا سفر کر ہی لیتے ہیں۔

درج بالا اعتراضات اور ان کے قرآنی جواب کا جو اسلوب ہے وہ دعوت فکر دے رہا ہے کہ:

(ا) مسلمان پورے شعور کے ساتھ قرآن کی طرف رجوع کریں۔ اس کی تلاوت اور فہم کے ساتھ ساتھ اس کے متعین کردہ اہداف کی روشنی میں اپنے داخلی اور خارجی معاملات طے کریں۔

(ب) مستشرقین کے اعتراضات، مشرکین کی طرح ہیں **فی قلوبھم مرض** کی بدولت اعتراض ہوتے ہیں۔ مگر اس قدر متضاد کہ خود ان کا دل بھی کسی ایک پر نہیں جمتا۔

(ج) ہمیں ''تعلیم حکمت'' کے تقاضوں کے تحت قرآنی تعلیمات کی حقانیت پر ایمان بالغیب کے بعد تعلیمات نبویؐ کی روشنی میں، قرآنی آیات کی عقلی توجیہات اس انداز میں پیش کرنی ہوں گی کہ اسلامی تعلیمات کا حلیہ بگاڑے بغیر، ہم دوسروں کو اس کا پیغام صحیح انداز میں پیش کریں ہمیں دوسروں کو اپنے اس عمل سے یہ

باور کرانا ہوگا کہ پروردگار کی حکمت وقدرت ہمیشہ انسان کے مصالح ومفادات کے لیے کام کرتی ہے۔

حواشی ومراجع

۱- امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، فاران فاؤنڈیشن لاہور، ۱۹۷۷ء، جلد۵، ص ۵۶/
۲- Abdullah Yusuf Ali, *The Holy Quran-Text-Translation and Commentary,* Lahore 1983, P.927
۳- ابوالکلام آزاد، ترجمان القرآن، اسلامی اکادمی، لاہور ۱۹۸۶ء، جلد۳، ص۴۹
۴- محمد حنیف ندوی، تفسیر سراج البیان، ملک سراج الدین اینڈ سنز لاہور، ۱۹۸۳ء، جلد۳، ص ۸۶۱
۵- پیر محمد کرم شاہ، ضیاء القرآن، ضیاء القرآن پبلیکیشنز لاہور، ۱۹۹۵ء، جلد۳، ص ۳۵۱
۶- ناصر مکارم شیرازی، تفسیر نمونہ (مترجم سید صفدر حسین نجفی)، مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور، ۱۴۱۷ھ، جلد۸، ص ۳۳۵
۷- سید ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، جلد۳، ص ۴۳۵-۴۳۶
۸- ڈاکٹر محمود رامیار کی کتاب ''تاریخ القرآن'' مطبوعہ مؤسسہ انتشارات امیر کبیر، تہران/ اردو ترجمہ: سید انوار احمد بلگرامی، مصباح القرآن ٹرسٹ، لاہور، ص ۲۰۱-۲۰۳
۹- مزید ملاحظہ فرمائیں کتاب مذکور، ص ۲۰۲-۲۰۸ اور غلام رسول سعیدی، تبیان القرآن، فرید بک اسٹال لاہور، ۲۰۰۵ء، جلد۸، ص ۲۳۷-۲۳۹
۱۰- امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، فاران فاؤنڈیشن لاہور، ۱۳۹۸ھ، جلد۶، ص ۱۱۴-۱۱۵
۱۱- تدبر قرآن، جلد۵، ص ۳۳۱
۱۲- تدبر قرآن، جلد۶، ص ۲۲۴-۲۲۵
۱۳- تدبر قرآن، جلد۵، ص ۳۳۱-۳۳۲
۱۴- Muhammad Asad, *The Message of Quran,* Dar ul Andalus, Gibraltar, 1980, P.753
۱۵- قاضی ثناء اللہ پانی پتی، تفسیر مظہری، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ، جلد۸، ص ۳۴۵
۱۶- مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ادارۃ المعارف، کراچی، جلد۷، ص ۳۷۴
۱۷- عباس اعوان اختر نے اپنی کتاب (نومسلم حضرات-قرآن کے راستہ پر، اذان سحر پبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۰۵ء) میں قرآن کے اثر سے اسلام قبول کرنے والے ۶۵ مردوں اور ۳۸ عورتوں کا تذکرہ کیا ہے۔

☆☆☆